جناب احمد خان صاحب

ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

"مسعود عالم ندوی۔ سوانح و مکتوبات"

پر ایک ناقدانہ نظر

اس مضمون کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ ہمارے فاضل دوست جناب اختر راہی صاحب نے اپنی کتاب "مسعود عالم ندوی۔ سوانح و مکتوبات" — جس کا اس مضمون میں ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے — کی تالیف کے سلسلہ میں مولانا ندوی کے عزیزوں اور دوستوں کا تعاون حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی تھی جس میں اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو محترم مضمون نگار کو کئی باتیں ضبطِ تحریر میں لانے کی ضرورت پیش نہ آتی جن کا اس مضمون میں ذکر کیا گیا ہے۔

—— ہم جنابِ راہی کی ان مساعی سے چونکہ ذاتی طور پر واقف ہیں، اس لئے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی ہے! (ادارہ)

علمائے سلف سے صحیح محبت ان کے علمی کارناموں سے محبت ہی سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ انہی علمی کارناموں کو اجاگر کر کے ان کی روشنی میں اخلاف اپنی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ پاک و ہند میں علماء کے ایسے کارنامے کچھ کم نہیں ہیں۔ ایسے ہی علماء میں مولانا مسعود عالم ندوی اپنی علمی وجاہت، دینی تصلب اور مصلح احوال کی بنا پر اہلِ علم میں اکثر یاد کیے جاتے ہیں۔ عربی زبان سے شغف و تحریریات کا کچھ حصہ اس زبان میں ہونے کی بدولت اس خطے کے عربی فضلا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اس میدان میں ان سے ذہنی مشارکت کی بنا پر ان کے آثار کو ہم عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس علمی ظرافت کے لیے جناب اختر راہی صاحب نے جو قدم اٹھایا ہے وہ ستائش کے قابل ہے۔

اس مختصر سی کتاب پر جو ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے جناب راہی صاحب نے مولانا مسعود عالم کی

سوانح اور ان کے ۴۳ خطوط جمع کیے ہیں۔ ابتدا میں مولانا مرحوم کے دوست جناب سید عبدالقدوس ہاشمی نے "دوست کی یاد" سے اس کتاب کو مزین کیا ہے۔ آخر میں اس کتاب میں دار (!) اعلام، ادارے اور کتب سے متعلق اشاریہ دے کر اس کی افادیت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

نفس کتاب پر تبصرہ کرنے سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند امور کو ذہن نشین کر لیا جائے تاکہ کتاب کے مطالعے میں آسانی رہے اور اس کے حسن و قبح پر پوری طرح نظر رہے۔

سوانح کی تدوین میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ سوانح نگار جس شخص کی حیات کے بارے میں معلومات جمع کر رہا ہوتا ہے اس کی خوبیاں ہی خوبیاں جمع کرنے میں کچھ سکون سا محسوس کرتا ہے۔ پھر عوام کے سامنے اس شخصیت کا یوں نقشہ پیش کرتا ہے کہ اس کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہ انداز نہ تو اچھا ہے اور نہ ہی آئندہ نسلوں کے لیے مفید۔ اس لیے سوانح نگار کو اس شخصیت کا دوسرا رخ بھی واضح کرنا چاہیے جس سے اس شخصیت کی بشریت زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

کسی شخصیت کے خطوط اس کی زندگی کے صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی کے یہ خطوط ان کی حیات کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مسعود عالم کی سوانح پر ہر کسی نے قلم اٹھایا۔ عربی زبان کے ایک اچھے انشا پرداز کی حیثیت سے انھوں نے جو خدمات سرانجام دی ہیں انہی کی بدولت عربی سے دلچسپی رکھنے والوں پر ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کی زندگی پر کما حقہ کچھ لکھیں۔ ان تحریرات اور خصوصاً خطوط ایک علمی حیثیت کے مالک ہیں۔ انھیں مزید سعی و کوشش سے جمع کر کے چھاپنا چاہیے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اتنا بڑا ادیب اور صرف ۴۳ خطوط منظر عام پر آسکے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا کے دوستوں اور عزیزوں سے جو ابھی باقی ہیں، پوچھا جا سکتا تھا۔ مولانا کی سوانح کے لیے کوئی خاص تحریری ماخذ غالباً پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ تمام معلومات صحیح ترین ابتدائی ماخذوں (PRIMARY SOURCES) سے حاصل کی جاتیں تو بہتر تھا۔ نامکمل معلومات آئندہ نسلوں کو نہ صرف غلط فہمی میں مبتلا کرتی ہیں بلکہ انھیں اسلاف سے متنفر بھی کر دیتی ہیں اور پھر یہ علمی دیانت کے سراسر منافی بھی ہے۔

خطوط کی تدوین میں ایک اہم اور ضروری امر کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ کم از کم ہماری معلومات کی حد تک ہم نے دیکھا ہے کہ خطوط جمع کرنے والے مکتوب نگار کا زمان و مکان تو خطوط

میں درج کر دیتے ہیں مگر مکتوب الیہ کے زمان و مکان سے قاری کو بے بہرہ رکھا جاتا ہے۔ اس طرح اس خط کے مشتملات سمجھنے میں بعض اوقات نہ صرف دقت ہوتی ہے بلکہ کئی دفعہ تو مقصودِ مکتوب ہی غلط ملط ہو جاتا ہے یا بدل جاتا ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ آئندہ مکتوب کے ساتھ مکتوب الیہ کا زمان و مکان بھی دیا جائے۔

دوسری بات جس کا تذکرہ ضروری ہے وہ ہے بے جا طول طویل حواشی سے خطوط کا بوجھل کرنا۔ اس ضمن میں بے ضرورت اور بلا مقصد حواشی سے ہمیشہ گریز کرنا چاہیے۔ ایسے حواشی بعض اوقات مکتوب نگار کا مقصود ہی ختم کر دیتے ہیں۔

بہرحال موجودہ کوشش ایک اچھی اور خوش آئند کوشش ہے۔ راہی صاحب نے جس ذمہ داری سے کام کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے۔ ہم قارئین پر جو انھوں نے ذمہ داری ڈالی ہے کہ دورانِ مطالعہ میں جو خامیاں محسوس فرمائیں اس (ان) کی اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں، تو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ذیل میں ہم مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں تا کہ دوسری طباعت میں ان نقائص کو دور کیا جا سکے۔

مولانا مسعود عالم مرحوم کی زندگی کے واقعات کا ایک معتد بہ حصہ اس تالیف میں نہیں آسکا اور خطوط تو بہت ہی کم ہیں۔ تاہم اس بارے میں راہی صاحب کو بہتر نقش ثانی کے لیے مزید کوشش کرنی چاہیے۔ چونکہ ہمارا یہ موضوع نہیں ہے اس لیے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا بے محل ہوگا۔ ہاں البتہ دورانِ مطالعہ جو باتیں کھٹکی ہیں انھیں بیان کرنے کی ہم پر ذمہ داری ہے اس لیے اسے حتی الامکان پوری طرح نباہیں گے۔

مولانا کی زندگی

۱۔ راہی صاحب نے مسعود عالم ندوی کی تاریخ پیدائش ۱۲؍محرم الحرام ۱۳۲۸ھ بطابق ۱۱؍فروری ۱۹۱۰ء دی ہے۔ یہ دونوں تاریخیں آپس میں مطابق نہیں ہیں اس لیے فیصلہ طلب امر یہ ہے کہ سن ہجری کی تاریخ صحیح اور مستند ہے یا عیسوی کی؟ اور بعد میں مطابقت کی گئی ہے۔ اگر سن ہجری درست ہے تو اس کے مطابق ۲ یا ۳ فروری ۱۹۱۰ء کی تاریخ بنتی ہے۔ چونکہ راہی صاحب نے کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا اس لیے صحیح تاریخ کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۲۔ مولانا کے دمہ میں مبتلا ہونے کی بیک وقت دو وجہیں بتائی گئی ہیں کہ والدہ ماجدہ کی رحلت کے جانکاہ صدمے میں سارا سارا دن تلاوتِ قرآن پاک کیا کرتے تھے تبھی اس مرض میں مبتلا ہوئے

ساتھ ہی اس مرض کو موروثی بھی لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مؤخر الذکر بات درست ہے کیونکہ موروثی دمے کے جراثیم اولاد میں موجود ہوتے ہیں اور لڑکپن ہی سے صحت پر اثر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ جملہ کہ "سارا سارا دن تلاوت قرآن پاک کرتے رہنے سے اس دور میں اس موذی مرض میں مبتلا ہوئے" بالکل غیر مناسب اور غلط تاثر دے رہا ہے۔

۳۔ "تاثیر الاسلام فی الشعر العربی" لکھ کر (ص ۱۹) مولانا مرحوم نے تکمیلِ ادب کیا تھا۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں لی تھی۔ ڈاکٹریٹ کی اصطلاح خاص طور پر جامعات میں مستعمل ہے اور وہ ایک خاص نظامِ تعلیم کا حصہ ہے۔ اس کے برعکس ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایسا نظامِ تعلیم نہیں ہے اس لیے اس میں ڈاکٹریٹ کے داخلے سے اس کے نظامِ تعلیم کے بارے میں غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

۴۔ جناب تقی الدین الہلالی (ص ۱۹) ۱۹۳۱ء میں ندوۃ العلماء تشریف نہیں لائے تھے بلکہ ۱۹۳۰ء کے اواسط میں آئے تھے۔ واضح طور پر مسعود عالم صاحب نے خود ہی بتایا ہے کہ وہ اگست ۱۹۳۰ء میں آئے[1]۔

۵۔ جدید تعلیم کے حصول (ص ۲۰) کے ضمن میں راہی صاحب نے بتایا ہے کہ "مولانا کے امتحان دینے سے قبل ذہنی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوگئی ...... دعائے استخارہ کی، تذبذب دور ہوگیا اور امتحان میں نہ بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔" یہ تو سوانح نگار کی تحریر ہے اس کے برعکس جس کی سوانح لکھی جا رہی ہے ان کا بیان یہ ہے:

> "ادھر منظور ہوا اور راقم نے وطن کی راہ لی اور انگریزی زبان کی تحصیل و تکمیل میں لگ گیا۔ ادھر ہلالی صاحب نے سید صاحب کو ایک عربی ماہنامہ نکالنے کی ترغیب دی اور راقم کا نام ادارت کے لیے پیش کیا۔ تجویز طے پا گئی اور علی میاں نے فرطِ مسرت سے فوراً اطلاع دی اور راقم انگریزی پروگرام کی بساط الٹ کر لکھنؤ پہنچ گیا[2]۔"

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کون درست کہہ رہا ہے۔

۶۔ الضیاء کے بارے میں (ص ۲۰) ابھی تک پتہ نہیں چل سکا کہ واقعۃً کس ماہ اور سن میں

---

[1] مسعود عالم ندوی: مکاتیب سلیمان۔ لاہور، ۱۹۵۳ء۔ ص ۵۴؛ معارف (اعظم گڈھ) سلیمان نمبر۔ ص ۱۳۰

[2] مسعود عالم ندوی: معارف (سلیمان نمبر) ص ۱۸۱۔

بند ہوا۔ بہتر یہ تھا کہ راہی صاحب اس اندھیرے سے ہمیں نکالتے۔ الضیاء کی نگرانی میں صرف ہلالی صاحب ہی نہ تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ زبان کی تصحیح ہلالی صاحب کرتے تھے دوسرے امور کے متعلق سید سلیمان ندوی مرحوم ہدایتیں دیتے۔ چنانچہ مسعود عالم ندوی صاحب نے اس امر کا بکشادہ دل اعتراف کیا ہے کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرۃ الاستاذ کی راست نگرانی اور سرپرستی میں کام کرنے کا موقع ملا[6] الضیاء کی مدتِ اشاعت (FREQUENCY) کے بارے میں خاموشی بہتر نہیں۔ یہ بتانا چاہیے تھا کہ سال میں دس ماہ یہ پرچہ نکلتا اور گیارہویں اور بارہویں ماہ میں مشترکہ پرچوں کے عوض ایک چھوٹی سی کتاب قارئین کو دی جاتی تھی۔ اس قسم کی تجویز بھی سید سلیمان ندوی مرحوم ہی کی دی ہوئی تھی۔

۷۔ ندوۃ العلماء میں اسٹرائیک (ص ۲۲) کئی مرتبہ ہوئی ہے۔ تین کا تو خود مسعود عالم ندوی نے ذکر کیا ہے۔ دو سلیمان نمبر میں اور ایک کا اپنے ایک مکتوب میں (مکاتیب سلیمان نمبر ۸۵) ۱۹۳۰ء اور ۱۹۲۵ء میں ہونے والی سٹرائیکوں میں مولانا مسعود عالم خود ملوث تھے۔ پہلی میں طالب علم کی حیثیت سے اور دوسری میں استاد کی حیثیت سے۔ راہی صاحب نے ۱۹۳۵ء کی جس سٹرائیک کا ذکر کیا ہے کہ اس میں جولائی کے مہینے میں دھڑا دھڑ معافیاں داخل کرنے لگے۔ یہ واقعہ درحقیقت ۱۹۳۰ء کا ہے۔ ۱۹۳۵ء والی سٹرائیک دراصل اوائل ستمبر میں ہوئی تھی جس کے نتیجے میں چھ طالب علم نہیں ۳ طالب علم اور تین اساتذہ خارج کیے گئے تھے۔[7]

۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں پٹنہ لائبریری کا چارج مولانا مرحوم نے نہیں لیا جیسا کہ راہی صاحب کا خیال ہے بلکہ کیٹلاگر ہوئے تھے جو لائبریرین سے نیچے کا منصب ہے۔ اس وقت غالباً شہاب الدین خدا بخش لائبریرین تھے جن کی وفات ۱۹۴۴ء میں ہوئی ہے۔[8]

۹۔ صفحہ ۲۵ پر ایک جگہ راہی صاحب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" پر تحریرات کے بارے میں لکھتے ہیں "ہندو پاکستان" کی پہلی تحریک تھی۔ ہندو پاکستان کی اصطلاح یہاں درست نہیں ہے۔ ایسے واقعات جن کا سراسر تعلق تقسیمِ ہند سے قبل سے ہے ان کو ہندو پاکستان کی طرف منسوب کرنے میں ہمیں کافی سوچ بچار سے کام لینا چاہیے۔

۱۰۔ مرحوم مسعود عالم ندوی کے بارے میں کئی رسائل و اخبارات نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہوگا مگر

---

[6] معارف (سلیمان نمبر): ص ۱۴۱۔ [7] مسعود عالم ندوی: مکاتیب سلیمان۔ ص ۶۴-۶۵۔

[8] ایضاً ص ۱۰۳۔

ماہی صاحب نے اس کتاب میں بہت کم دیا ہے (ص ۳۵-۳۶) حیرت تو یہ ہے کہ معارف کے کلمات کا ذکر تک نہیں کیا گیا جس سے مولانا کا مدتوں تعلق رہا ہے۔

۱۱۔ سب سے زیادہ نامکمل حصہ مولانا مرحوم کی علمی خدمات کا ہے۔ جس میں تالیفات کی جامع فہرست تک نہیں دی گئی۔ چاہیے یہ تھا کہ آپ کی تمام تالیفات مع کتابیاتی معلومات (BIBLIOGRA PHICAL INFORMATION) درج کی جاتیں۔ ان کے کئی حصے بنائے جاتے ایک میں کتابیں اور دوسرے میں مضامین کی فہرست دی جاتی اور تیسرے حصے میں ان تحریرات کا اندراج ہوتا جو چھپ نہ سکیں۔ اسی عنوان کے آخری حصے میں انفرادی نہ سہی مجموعی حیثیت سے مولانا کی تالیفات پر مختصراً ناقدانہ نظر ڈالی جاتی تاکہ مولانا کے کارنامے زیادہ جلی صورت میں سب کے سامنے آتے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مولانا کی مطبوعہ تالیفات میں ان کے اطروحہ (تاثیر الاسلام فی الشعر العربی) کا ذکر نہیں ہے جو بالاقساط الضیاء میں چھپ چکا ہے۔ علاوہ بریں حاضر سلمی الہند وغابرہم کا جتنا حصہ الفتح میں نکلا تھا وہ بھی دینا چاہیے تھا۔ پٹنہ لائبریری میں عربی مخطوطات کی فہرست مولانا کا بہت اہم کام ہے اس کی تفصیل تو کیا اجمال بھی نہیں دیا گیا۔ مولانا مرحوم نے خدابخش لائبریری کی فہرست میں جلد نمبر ۲۵ سے کام شروع کیا ہے۔ یہ جلد ان کے پیشرو جناب عبدالحمید صاحب شروع کر چکے تھے مگر تکمیل تک زندگی نے وفا نہ کی۔ آخری حصہ مولانا نے مکمل کیا۔ اس کے بعد جلد ۲۶ سے ۲۸ تک بلا شرکت غیر مولانا مرحوم کی تیار کردہ ہیں۔ یہ سب چھپ چکی ہیں۔ جلد نمبر ۲۵ تو ۱۹۴۲ء میں چھپی مگر نمبر ۲۶-۲۸ مرحوم کی وفات سے عرصہ بعد ۱۹۶۱ء میں طبع ہو سکیں۔

علمی خدمات کے تحت اس امر کا ذکر نہایت ضروری تھا کہ آپ نے کس کس رسالے کی ادارت کی اور وہ دور کیسا رہا۔ یا کس کس رسالے کے لیے مضامین لکھے اور ان سے لوگوں نے کیا تاثر لیا۔ علمی خدمات کے ضمن میں کسی شخص کے خیالات (اس کی تحریرات کی روشنی میں) اور ان پر یا ان سے اثرات ذکر نہ کرنا اس شخصیت کی صریحاً حق تلفی ہے۔

۱۲۔ زبان و الفاظ کے بعض معمولی نقائص ہیں انھیں بھی درست ہونا چاہیے تھا۔ ص ۸ پر نیچے سے دوسری سطر میں جملہ یوں درست ہوگا: دورانِ مطالعہ میں جو خامیاں محسوس فرمائیں ان کی اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ ص ۱۱ پر آخری سطر میں سید محمد قُمیصی قادری میں قُمیصی نسبت کو مشکول کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس نسبت کو غلط پڑھا جانے کا امکان ہے۔ ص ۲۱ پر عربی زبان کے ادیب و نقاد کا صحیح نام النشاشیبی الکرملی ہے۔ ص ۲۶ پر مولانا کی عربی تالیف کا عنوان حاضر سلمی الہند وغابرہم ہے۔ ص ۲۷ پر ایک لفظ مختصر یکہ

استعمال ہوا ہے جو محلِ نظر ہے۔

مکاتیب:

۱۔ مکتوبات کے جمع کرنے میں جو کوشش کی گئی ہے وہ کسی طرح مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ اتنی بڑی شخصیت جس کے علمی تعلقات سید سلیمان ندوی جیسے لوگوں سے رہے ہوں ان کے مکتوبات بہت سے لوگوں کے ساتھ علمی مسائل میں بحث و تمحیص کے سلسلے میں لکھے گئے ہوں گے۔ بعض لوگوں کے ہاں یہ خطوط محفوظ بھی ہوں گے۔ بعض کی طرف سے حوصلہ افزا جواب نہ ملنے پر ہمت نہیں ہارنی چاہیے تھی۔

• مولانا مرحوم کیا کسی کے مخطوطے یا خطوط کو پڑھنا اور انھیں ایڈٹ کرنا چنداں آسان نہیں ہے۔ مولانا کا خط کافی باریک تھا اور بعض اوقات خطوط اپنے ہاتھ سے نہیں بلکہ شاگردوں کے ہاتھ سے لکھواتے ہیں۔ ان خطوط میں بعض جگہوں پر کانٹ چھانٹ بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ ان میں زبان کا سقم اور عبارتوں کا مفہوم بدلنے کا اندیشہ بھی ہے۔ ان تمام خطرات سے بچ کر نکلنا ہی صحیح ایڈٹ کرنا ہے۔

• راہی صاحب کے پیش نظر ۴۲ خطوط تھے جو انھوں نے یہاں نقل کیے ہیں۔ اس وقت وہ سارے خطوط تو ہمارے سامنے نہیں ہیں البتہ ایک دو کی فوٹو اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے انداز پر دوسرے خطوط کی نقل کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک فوٹو (ص ۶۵) میں دیے گئے خط نمبر ۱۰ کے پڑھے جانے کا تعلق ہے اس میں تو چند مقامات پر راہی صاحب نے ٹھوکر کھائی ہے، جیسے مثلاً اس خط کے نفس مضمون کی سطر نمبر ۶ پر "نے نام" کے بعد لفظ "بھی" رہ گیا ہے جو تحریر میں ہے، اور جس کی موجودگی سے ہی صحیح مفہوم ادا ہوتا ہے۔ اسی طرح سطر نمبر ۹ پر "میری رائے کہ آپ" کو "میری رائے میں آپ" پڑھا گیا ہے۔ پھر اس سے اگلی سطر میں "یا پھر سعید رمضان واضح کر دیں" کو "یا پھر سعید رمضان کو واضح کر دیں" پڑھ کر بلا ضرورت "کو" جو تحریر میں نہیں ہے بڑھا کر اس عبارت کا مفہوم ہی بدل دیا ہے، جو مولانا مرحوم کا مقصود ہرگز نہ تھا۔ اس زیادتی کی وجہ اصل واقعہ کو نہ سمجھنا ہے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ حکیم نصیر الدین صاحب (مکتوب الیہ) کو یہ خط اس لیے لکھا گیا کہ وہ ہندوستان میں ناظم ندوی صاحب یا سعید رمضان صاحب، جو ان دنوں ہندوستان آئے ہوئے تھے، سے ایک سفارشی خط بنام عبد الحمید خطیب حاصل کر کے انھیں روانہ کریں۔ چنانچہ حکیم صاحب سے کہا گیا کہ دونوں سے کوئی ایک جو مل جائے ان سے کہیں کہ سفارشی خط میں واضح کر دیں کہ میں (مسعود عالم ندوی) کوئی مالی یا مادی امداد نہیں چاہتا۔ اسی خط میں اوپر یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد ناظم صاحب ہوں اور وہ مناسب

خیال کریں تو اس کا بھی ذکر کرسکتے ہیں۔" معلوم ہوتا ہے کہ راہی صاحب خط کا مفہوم ہی نہ پا سکے۔
جن کے بیٹے "کو" بڑھا یا گیا اور یوں مکتوب نگار کے مقصود کو درہم برہم کردیا گیا۔

اسی خط کی سطر ۱۴ میں "آپ کی گڑیاں اب تک نہیں ملیں" کو "کبھی تک نہیں ملیں" لکھا گیا ہے جو نقل میں چوک کی واضح مثال ہے۔

اسی طرح خط نمبر ۱۲ میں نفس مضمون کی سطر ۳ میں توقع ہے کے بعد لفظ "کہ" نقل کرنے میں رہ گیا ہے۔

ایک خط کے نقل کرنے میں اگر اتنی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں تو دوسرے خطوط کے بارے میں کیا اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے ان سے کم ہی ہوں۔

• بہرحال جو نقل شدہ حصہ ہمارے سامنے موجود ہے ان میں بھی چند باتیں غور طلب ہیں:

ا۔ پہلے خط میں فقرہ نمبر ۱ میں بین القوسین ایک بے ربط جملہ "امیر شکیب کے تحائف کا خاص خیال کیجیے" دیا گیا ہے جو بالکل بے محل ہے۔ معلوم ہوتا ہے مکتوب نگار نے اس جملے کو اصل حاشیے پر دیا ہے اور یہ جملہ خط کے آخری حصے سے متعلق ہے جس میں رشید رضا کی کتاب کے آنے کی اطلاع دی ہے۔ یا ممکن ہے اسی جگہ ہو (جس کا صحیح علم راہی صاحب کو ہے) تو بھی ایڈٹ کرتے وقت مکتوب نگار کا مقصود زیادہ پیش نظر ہوتا ہے اس لیے اس جملے کو صحیح مقام پر لکھنا چاہیے تھا۔

ب۔ جن دو خطوط کی فوٹو دی گئی ہے ان کی تحریر (SCRIPTION) کو بامعان نظر دیکھا جائے تو بادی النظر ہی میں یہ شک گزرتا ہے کہ دونوں تحریریں ایک ہی صاحب کی نہیں ہیں۔ جو خط (ص ۷۲) جیل سے لکھا گیا ہے اس کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا مسعود عالم ندوی کی تحریر نہ ہو۔ ہاں البتہ ص ۶۵ والا خط کسی اور کی تحریر نظر آتا ہے۔ میرے اس شک کی بنیاد ان وجوہ پر ہے۔

۱۔ جیل والا خط پختہ تحریر ہے جبکہ بغداد سے لکھے گئے خط میں غیر متوازن سطریں ہیں اور بعض حروف کی تحریریں بھی ناپختگی جھلکتی ہے اور پھر اعلام کو زیر خط کشیدہ کیا گیا ہے۔

۲۔ مولانا اتنے منجھے ہوئے لکھنے والے تھے کہ ان تحریرات میں کانٹ چھانٹ تقریباً مفقود ہے جبکہ ان کے شاگردوں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خطوط میں کئی مقامات پر کانٹ چھانٹ کی گئی ہے جس کا راہی صاحب کو نہ صرف تجربہ ہے بلکہ اعتراف بھی ہے۔ چنانچہ بغداد والے خط

میں کئی جگہ کاٹا گیا ہے۔

ان قرائن کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ خط مولانا کی اپنی تحریر نہیں بلکہ کسی اور کی لکھائی ہے اغلب یہ ہے کہ یہ خط آپ کے شاگرد رشید جناب محمد عاصم صاحب نے لکھا ہے جو اس سفر میں مولانا کے ہمراہ تھے۔ ان کی تحریر بھی بہت باریک ہے اور حروف کی لکھائی میں وہ استاد مکرم (مسعود عالم ندوی) کا تتبع کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی تحریر اور مولانا مسعود عالم کی تحریر میں بہت کم فرق رہ گیا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں تحریروں میں باقی حروف اور الفاظ کی غیر مماثل تحریر کے علاوہ آپ لفظ "صاحب" کی لکھائی میں واضح فرق جان جائیں گے۔ چنانچہ ہم یہ بات کہنے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتے کہ ص ۲۶ کی یہ تحریر کہ "مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط کا فوٹو" بالکل غلط ہے۔ اس کی بجائے مولانا کے ایک شاگرد عزیز محمد عاصم الحداد کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط کا فوٹو لکھنا چاہیے تھا۔

ج۔ بعض خطوط میں حواشی و تعلیقات لاطائل و مکرر دیے گئے ہیں جن کی بدولت اس کام کی اہمیت ثانوی نظر آتی ہے۔ جیسے ص ۴۸ پر کتاب الرحلۃ پر بلا ضرورت حاشیہ لکھتے ہوئے اسے جعلی ثابت کرنے میں راہی صاحب نے خواہ مخواہ زور قلم دکھایا ہے اور اس میں تقریباً تین صفحات سیاہ کر دیے ہیں۔ جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ مولانا مرحوم نے راہی صاحب سے نہیں "نا معلوم" صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ راہی صاحب مخاطب نہ تھے۔

پہلے مکتوب کا پہلا حاشیہ دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ بالکل یہی بات راہی صاحب مولانا کی سوانح کے ضمن میں ص ۲۱، ۲۲ پر لکھ آئے ہیں۔ پھر حاشیے میں دیتے ہوئے متضاد بات لکھ کر قارئین کو شک میں ڈال دیا ہے۔ جیسے ص ۲۲ پر لکھا کہ حاضر العالم الاسلامی و غابر ہم مجلہ الفتح میں بالاقساط شائع ہوتی رہی، جبکہ مکتوب کے حاشیے پر لکھ دیا کہ وہ کتاب طبع نہ ہو سکی اور نہ مسودہ ہی واپس ہوا۔

مکتوب نمبر ا کے حاشیہ نمبر ا کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہی باتیں اس سے قبل مولانا کی سوانح میں دہرائی جا چکی ہیں۔ محض تکرار معلومات سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

مکتوب نمبر ۴۲ کے حاشیہ نمبر ا کی تو قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ بات پہلے بھی ص ۳۸-۳۹ پر لکھی جا چکی ہے۔

جن اعلام کے بارے میں الگ مکتوب الیہم کا باب باندھا ہے (جس کی ہرگز ضرورت نہ تھی بلکہ مختصراً فٹ نوٹ میں ہی دینا چاہیے تھا) ایسے اعلام کو حواشی میں دینے سے سوائے تکرار عمل

کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

- مکاتیب میں جو سقم رہ گئے ہیں ان کو الگ الگ بیان کرنے میں بہت دقت رہے گی اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ ان نقائص کو صفحہ وار ہی واضح کیا جائے۔

صفحہ ۴۳ پر مولانا مرحوم کی کتاب کے ابواب میں کیف استولی الأنکلیز علی الہند تحریر ہے جس میں لفظ انگلینڈ غالباً نہیں تھا اصل انکلیز ہے۔ فقرہ نمبر۲ میں معرکۃ الوحدۃ الاسلامیہ میں لفظ الوحۃ سمجھ نہیں آیا۔ ہمارے خیال میں یہ لفظ الوحدۃ ہے۔ حاشیے میں مولانا کی کتاب کا صحیح عنوان حاضر مسلمی الہندو غابرہم ہے۔

ص ۴۴ پر دوسری سطر میں لفظ "دوں" زائد ہے۔ شکیب ارسلان کی کتاب کا صحیح عنوان "السید رشید رضا او اخاء اربعین سنۃ" ہے۔

ص ۴۶ پر LEGITIMATE کے ہجے درست کر لیے جائیں۔

ص ۵۲ پر سطر ۱۲ میں "بردہ" کے بعد خالی جگہ ہے یہ برد کمان ہے۔ نیچے حاشیہ نمبر۱ میں اسلامک کلچر وقیع علمی مجلہ تھا ہی نہیں اب بھی ہے۔

ص ۵۶ پر سطر ۴ میں مولانا نے ایڈٹ کو اڈٹ لکھا ہے۔ ایڈیٹر صاحب کو بین القوسین صحیح لفظ لکھنا چاہیے تھا۔ اسی صفحہ پر حاشیے میں سفیان بن عُیَینہ کا ذکر ہے جسے غلطی سے عینیہ لکھا گیا ہے۔ یہ غلطی انڈکس میں بھی موجود ہے۔

ص ۵۷ پر اختر اور بنوی کو اور نیوی لکھنا مناسب نہیں۔ نیچے حاشیہ نمبر۲ یوں ہونا چاہیے تھا: "حاشیہ نمبر۳ بر مکتوب نمبر۱۱ دیکھا جائے"۔

ص ۵۹ پر حاشیہ نمبر۲ میں بہار کے مشہور افسانہ نگار کے علاوہ سہیل مرحوم بہت بلند پایے کے شاعر تھے اور خصوصاً نعتِ رسول میں ان کی خاص شہرت ہے۔ بلکہ میرے خیال میں افسانہ نگار ہونے کی حیثیت سے کبھی یاد نہیں کیے گئے۔ شاعری شہرت کا سبب تھی۔

ص ۶۱ پر سطر ۱۰ کا یہ جملہ غامض سا ہے: دس بارہ عید تک لکھنؤ ہوتا ہوا فیروز پور کا قصد کروں گا۔

ص ۶۳ پر عن ید الدکتور تقی الدین الہلالی سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ یہ خط نہ تو ہلالی صاحب نے لکھا ہے اور نہ ہی ان کے بدست مکتوب الیہ تک پہنچایا گیا ہے۔ مولانا مظفر حسین شاہ ندوی صاحب سیکرٹری تعلیمات حکومت آزاد کشمیر تھے نہیں بلکہ رہے ہیں اور اب اسی حکومت

ہیں ناظم امورِ دینیہ ہیں۔

ص ۷۶ پر الهيئة التاسيسية کی کتابت غلط ہے۔

ص ۷۱ پر حاشیہ نمبر ۳ میں "مولانا مرحوم نے حاشیہ میں لکھا ہے"، کی بجائے "مرحوم نے حاشیہ میں لکھا ہے:" امام شوکانی کی کتاب کا صحیح عنوان ہے: نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔

ص ۸۰ پر تیسری سطر میں ایک کتاب الاخوان فی ...... کے بعد جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی لفظ پڑھا نہیں جا سکا۔ یہ کتاب غالباً کامل الشریف جو الاخوان کے کسی وقت سیکرٹری جنرل تھے، کی تالیف الاخوان فی المعرکۃ ہے۔

اسی طرح ص ۸۳ پر صالح عشماوی اور محمد الغزالی کے اخراج۔ کے بعد جو..... پھر جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ پڑھا نہیں گیا۔ چنانچہ حواشی میں اس طرف اشارہ کرنا چاہیے تھا مگر جناب ایڈیٹر صاحب نے اس کی بجائے اور باتیں ہی تحریر کی ہیں صالح عشماوی (ث کے ساتھ) نہیں بلکہ صالح عشماوی (شین کے ساتھ) ہے۔

ص ۹۳ پر عبدالماجد دریابادی نے بی اے جس کالج سے کیا تھا اس کا نام (CANN ING) کالج تھا۔

اشاریہ

یہ امر نہایت ہی خوش کن ہے کہ اب ہمارے ہاں بھی کتابوں کے ساتھ اشاریوں کی ضرورت کو محسوس کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ راہی صاحب نے بھی اشاریہ بنا کر کتاب سے استفادے کو بہت بڑھا دیا ہے۔ مگر چونکہ اس میدان میں ہم ابھی مبتدی ہیں اس لیے اس تکنیکی کام میں بعض جگہوں پر بری طرح ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ جیسے مثلاً اشاریہ بناتے وقت حرف تعریف "ال" کو نظر انداز کر کے ابجدی ترتیب لگائی جاتی ہے۔ جیسے المسلمون کو حرف م کے تحت ترتیب دی جاتی ہے الف کے تحت نہیں۔ چنانچہ راہی صاحب کے مرتب کردہ اشاریے میں رسائل و کتب کے تحت دیے گئے اندراجات میں الترجمۃ العربیۃ سے لے کر الہلال تک انیس الفاظ غلط مرتب ہوئے ہیں۔ اسی طرح اشاریے کی ترتیب میں ابو، ابن، ابن وغیرہ کو بھی نظر انداز کر کے ترتیب دی جاتی ہے۔ اس اصول کے پیش نظر بھی کئی اندراجات غلط حروف کے تحت اور غلط جگہوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

چند اندراجات اشاریے میں رہ بھی گئے ہیں جیسے انستاس الکرملی (ص ۲۱)، سردمن

انڈسٹریز (ص ۹۳) اور الاخوان فی المعرکۃ (ص ۷۸) وغیرہ

بعض الفاظ کے ہجے نفس کتاب میں غلط ہیں تو وہ اشاریے میں بھی اسی طرح موجود ہیں۔ علاوہ بریں ابوالخیر عرقسوسی کو غلط لکھا گیا ہے۔

آفسٹ پر چھپنے کی بدولت کتاب ظاہری گیٹ اپ میں اچھی ہے۔ مگر پروف اچھی طرح نہیں دیکھے گئے۔ جہاں نہ پڑھا جانے کی وجہ سے جگہ خالی رہ گئی ہے اسے پُر کیا گیا ہے اور اس کا سبب بتایا گیا ہے۔ بعض حوالے دیتے ہوئے ان کے صفحات وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح بعض کتابوں کے حوالے درج کرنا بھی رہ گئے ہیں۔ ایسی باتیں کتاب کی علمی حیثیت کو کم کر دیتی ہیں۔

آجکل زمانہ کاغذ کی قلت ہے اور اشیا کی قیمتوں میں بے شمار اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کے باوصف ایسی علمی کتابوں کو پھیلانے کے لیے اس کتاب کی قیمت مبلغ چھ روپے کچھ زیادہ ہی نظر آتی ہے۔

آخر میں اس امر کا اظہار ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایسے دیدہ ریزی کے کاموں کو بطریق احسن کرنے کے لیے طول عمر چاہیے۔ جب کوئی علمی کام ناقدین کے سامنے آتا ہے تو کسی نے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ اس پر کس قدر محنت اور وقت صرف ہوا ہے۔ وہ تو صرف اسے مکمل کام سمجھ کر ہی نگاہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لیے ایسے علمی کارناموں کو پوری تندہی اور ژرف نگاہی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے تھا۔ کوئی ضروری نہیں کہ بہتر نقش ثانی کے لیے ایک ادھورا نقش چھوڑا جائے۔

جن احباب کے نام ترجمان اعزازی جاری ہے

ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ "ترجمان الحدیث" سے مزید استفادہ کیلئے اب انہیں سالانہ چندہ ادا کرنا ہوگا۔ ورنہ ان کے نام پرچہ کی ترسیل روک دی جائیگی۔ زیر نظر شمارہ کی وصولی کے بیس دن بعد تک سالانہ زر تعاون ارسال فرمادیں یا بذریعہ وی۔پی۔ وصول کرنے کیلئے لکھیں۔ طلبہ کیلئے خصوصی رعایتی چندہ مبلغ سات روپے پچاس پیسے ہوگا۔ لائبریریاں اور قلمی معاونین مستثنیٰ ہیں!

یہ اعلان پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ تاہم اب یہ آخری وارننگ ہے! والسلام!

(ناظم دفتر)